فخرِ بھارت

سوامی ویویکانند

مصنّف

شریدھر کول (ڈلو)

RAMAKRISHNA ASHRAMA
LIBRARY, SRINAGAR
689

SRI RAMAKRISHNA ASHRAM
LIBRARY
Shivalya, Karan Nagar,
SRINAGAR.

Class No. ____________

Book No. ____________

Accession No. ____________

96
RAMAKRISHNA ASHRAMA
LIBRARY SRINAGAR
ACC NO 689
96 R.V. Lek

فخر بھارت سوامی وویکانند

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قدرت کنکر اور پتھر زمین پر فراوانی سے بکھرتی ہے۔ لیکن لعل اور جواہر کہیں کہیں زمین کے سینہ میں محفوظ رکھتی ہے جہاں سے وہ مسلسل تلاش اور انتھک کوششوں کے بعد نکالے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ انسان کی محفل کو اپنی تابانی سے منور کرتے ہیں۔ آسمان پر لاتعداد تارے رات کی آغوش میں دھیمی سی روشنی کے تنگ دائرے میں ٹمٹماتے ہیں۔ لیکن ایک ہی آفتاب عالمتاب ساری کائنات کا منبع حیات و مخزن نور بنکر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ قدرت کی منصوبہ بندی میں یہی اصول یعنی ارزاں چیز کی فراوانی اور گراں بہا چیز کی کمیابی انسانوں کی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ یہاں بھی انسان کامل مدتوں کے بعد ہی آشکارا ہوتا ہے۔ اور اپنی ضو فشانی سے باطل کی تاریکیوں سے گھرے ہوئے ہم جنسوں کو روشنی کی شاہراہ پہ پہنچاتا ہے اور ان کو حیات بخش بلندیوں سے شناسائی کراتا ہے۔ بنی نوع انسان کے ایسے ہی عظیم رہبروں میں سے ایک وویکانند ایک ہیں۔

نے اپنی مخصوص ضیا پاشی سے نہ صرف بھارت بلکہ دنیا کو منور اور سرشار کر لیا۔

اس آفتاب روحانیت کا طلوع ۱۲ جنوری ۱۸۶۳ء میں بنگال کے ایک معزز کھشتری گھرانے میں ہوا۔ ان کا نام نریندر ناتھ رکھا گیا۔ جس کے مخفف ترین سے ان کو عام طور خطاب کیا جاتا تھا۔ قدرت نے اس عظیم الشان ہستی کو آراستہ پیراستہ کرنے میں غیر معمولی فیاضی سے کام لیا تھا ظاہری شکل و صورت حسن میں سیرت پاک اور دماغ تابناک کے ہم پلہ تھی۔ گویا ایک بیش بہا ہیرے کو سونے کی ڈبیا میں محفوظ رکھا گیا ہو۔ اُن کی دلچسپیوں جن میں موسیقی اور جسمانی کسرت بھی شامل تھے۔ ہمہ گیر تھیں۔ ان کا دائرہ مطالعہ جس میں اکثر علوم شامل تھے۔ نہایت وسیع تھا۔ عنفوان جوانی میں ہی ان کے باریک بین اور موشگافی کے اہل دماغ نے اُن کے ہمعصروں پر اپنا سکہ جما لیا۔ بھارت کے روحانی و مذہبی ادب کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر اور وہاں سے گراں بہا جواہرات کو سمیٹتے ہوئے انہوں نے مغربی مفکروں کی تصانیف کی بھی چھان بین کی۔ یہاں تک کہ اٹھارہ بیس سال کی عمر میں ہی انہوں نے انگلستان کے نامور فلاسفر (Herbert Spencer) کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ چھیڑ دیا۔ اور اُن کے فلسفہ پر تنقید کرنے کی جسارت بھی کی۔ انیسویں صدی یورپ میں

روحانیت اور الہیات کے خلاف عام بغاوت کی صدی تھی اور اُن تمام عقیدوں کو جو استدلال کی کسوٹی پر پورے نہ اتر سکتے تھے۔ رد کرنا اس صدی کے عالموں کا طرۂ امتیاز ہی بن گیا تھا۔ بھارت پر بھی اس مغربی لہر کا اثر پڑنا ناگزیر تھا۔ استدلال کے پوجاری بال کی کھال کھینچنے والے نرین کے دماغ نے اس اثر کو کچھ عرصہ کے لئے قبول تو کیا۔ لیکن ان کا دل ہندو دھرم کی صداقتوں اور اس دھرم کی روحانیت کی کشش سے باہر نہ جا سکا۔ اُن کے دل اور دماغ میں زبردست کشمکش رہی حقیقت کی تلاش میں وہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر بھٹکتے رہے۔ کیشب چندر سین کے برہمو سماج میں بھی قدم رکھا۔ دھیان ابھیاس کے وہ بچپن سے ہی عادی تھے۔ وہ مشق برابر جاری رہی۔ تپسیا اور سادھنا کی زندگی اختیار کی۔ جدوجہد کی شدت بڑھتی ہی گئی۔ لیکن تسکین خاطر ان سے دور ہی رہی۔ وہ یقین کامل کے متمنی تھے۔ اُن کو ایسے گورو کی تلاش مطلوب تھی، جو بے کم و کاست یہ دعویٰ کر سکتا کہ میں نے حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے پرماتما کو دیکھ لیا ہے۔

جو بندہ یابندہ ایسا گورو ان کو پرمہنس شری رام کرشن کی صورت میں مل ہی گیا۔ ایک بار نرین اپنے ایک برہمو سماجی دوست کے گھر ایک اُتسو میں شامل

ہونے کے لئے گئے تھے۔ اتفاق سے پرمہ ہمس بھی وہاں پہنچے۔ نرین نے وہاں ایک دھار مک بھجن گایا۔ پرمہ ہمس کی عقابی نظر نے یک دم دیکھ لیا۔ کہ اس نوجوان میں جس کی عمر اُس وقت اٹھارہ سال تھی۔ وہ روحانی صلاحیتیں موجود ہیں۔ جو اُس کو اُن کا مقصد عظیم پورا کرنے کے قابل بنائیں گی۔ انہوں نرین کو انہیں ملنے کے لئے دکھشنو آنے کی دعوت دی۔

نرین چند ساتھیوں کے ساتھ دکھینشور چلے گئے پرمہ ہمس نے اُن کو کوئی بھجن گانے کے لئے کہا۔ بھجن کے دوران میں پرمہ ہمس کو سمادھی آگئی۔ جب بھجن ختم ہوا تو پرمہ ہمس ان کو ہاتھ سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئے۔ اور انہوں نے کمرے کے دروازہ کو بند کیا۔ تاکہ اُن کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ نہ اُن کی بات سُن سکے۔ وہاں اُن سے یوں مخاطب ہوئے "آپ بہت دیر سے آئے۔ مجھے آپ نے اتنی دیر انتظار میں کیوں رکھا؟ میرے کان دوسروں کی بے معنی باتیں سُن کر تھک گئے ہیں۔ میری کتنی تمنا رہی ہے کہ میں اپنے روحانی انکشافات کو کسی ایسے دل پر واضح کروں۔ جو اُن کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہو۔" اس اثناء میں وہ خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔ پھر نرین کے سامنے کھڑے رہتے ہوئے اُن کو ہاتھ جوڑ کر یوں

کہنے لگے "بھگوان مجھے معلوم ہے کہ آپ قدیم مہرشی نر نارائن کے اوتار ہیں۔ جنہوں نے پرتھوی پرانسانوں کے دُکھ مٹانے کے لئے جنم لیا ہے"۔ یہ الفاظ سن کر نرین ششدر سے رہ گئے۔ اور ان کو شک ہوا کہ پرمہ ہمس کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ لیکن باہر سے انہوں نے اپنے دل کی کیفیت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ پرمہ ہمس نے پھر اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُن سے وعدہ کرایا کہ وہ پھر جلدی اور اکیلے اُن سے ملنے کے لئے آئیں گے۔ نرین نے چھٹکارا پانے کے لئے وعدہ تو کر لیا۔ لیکن اپنے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ وہ پھر کبھی دکھشنیشور نہ آئیں گے۔ تخلیہ سے جب وہ بیٹھک میں پھر داخل ہوئے۔ تو نرین علیحدہ بیٹھے اور پرمہ ہمس کی حرکات وسکنات کا بغور مشاہدہ کرتے رہے نرین نے وہ سوال جو ان کے دل کو ہمیشہ سے بے قرار کئے رہتا تھا۔ اور جو انہوں نے اس سے پہلے ایک مہاتما کے بعد دوسرے کے سامنے رکھا تھا پوچھا۔ "کیا آپ نے پرماتما دیکھا ہے؟" جواب صاف اور سیدھا ملا۔ "جی ہاں۔ میں نے پرماتما کو دیکھا ہے۔ میں اس کو ایسے ہی دیکھتا ہوں۔ جیسے آپ کو اور میں اُسے آپ کو بھی دکھا سکتا ہوں۔"

ایک ماہ کے بعد نرین پھر اپنے سابقہ ارادے

کے باوجود دکھنیشور گئے۔ پرمہ ہمس اُن سے بڑے تپاک سے ملے اور اُن کو اپنے پاس بٹھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے یکایک اپنا دایاں پاؤں نریندر کے جسم پر رکھا۔ چشم زدن میں نریندر پر ایک تلاطم خیز کیفیت طاری ہوئی۔ کھلی آنکھوں سے انہوں نے کمرے کی دیواروں اور باقی سب چیزوں کو نیستی کے بے کنار سمندر میں گم ہوتے دیکھا۔ ساری کائنات اور ان کا اپنا وجود ایک ناقابل بیان خلا میں غائب ہوتے نظر آئے۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ موت کے آمنے سامنے ہیں۔ انہوں نے چلایا۔ "آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ گھر پر میرے والدین ہیں۔"

یہ سن کر پرمہ ہمس ہنسے اور ان کی چھاتی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اچھا آج اتنا ہی کافی ہے" ان کے چھاتی پر ہاتھ پھیرنے اور یہ الفاظ کہنے کی دیر تھی۔ کہ ہیبت ناک کیفیت ختم ہوگئی۔ اور نریندر بے ہوشی کی حالت سے باہر نکلے اور انہوں نے اندر باہر ہر چیز کو اپنی معمولی حالت میں پایا۔ انہوں نے اس لمعہ نانی کیفیت کو اچھے معنوں میں نہیں لیا۔ اور انہوں نے دوبارہ اس سے بچنے کے لئے چوکنا رہنے کی ٹھان لی۔

تیسری ملاقات قریبًا ایک ہفتے کے بعد

ہوئی۔ سابقہ ارادے کے مطابق نریندر بالکل چوکنے رہے۔ اس دفعہ پرمہ ہمس اُس کو ایک ملحقہ باغ میں لے گئے۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ بیٹھک میں بیٹھ گئے پرمہ ہمس کو سمادھی آ گئی۔ اس حالت میں دیکھتے دیکھتے نریندر کو چھو لیا۔ اور اُن پر بے ہوشی طاری ہو گئی جب وہ ہوش میں آ گئے تو انہوں نے پرمہ ہمس کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے اور ان کی چھاتی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دیکھا۔ بہت سے برس گذرنے کے بعد پرمہ ہمس نے اس واقعہ کو شاگردوں سے یوں بیان کیا۔ "میں نے اُس حالت میں اُس سے اپنی سابقہ سرگذشت، اس دنیا میں آنے کے مقصد اور اس کی عمر کی حد کے متعلق استفسارات کئے اور اُس نے اُن کے مناسب اور درست جوابات دئے۔ جن سے اُن کے متعلق میرے قیاسات کی پوری تصدیق ہوئی۔

مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک مہرشی تھے جنہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ اور جب وہ اپنی ذات کی اصلیت سے آگاہ ہوں گے۔ وہ جسم کو اپنی قوت ارادی سے چھوڑ دیں گے۔ لیکن پرمہ ہمس نے اُس وقت اُن سے اِن باتوں کا ذکر ہی نہ کیا۔

اِن واقعات کے بعد بھی نرین نے اپنے آپ کو پرمہ ہمس کا شاگرد تسلیم نہ کیا۔ وہ کسی کا شاگرد نہیں

بننا چاہتے تھے۔ پرمہمس کی بعید از فہم طاقت سے اُن کو متحیر تو کردیا۔ لیکن اُن کا "نکتہ بین دماغ" اُن کے دل کے رجحان سے برابر برسرپیکار رہا۔ اگرچہ پرمہمس کی زبردست کشش اُن کو اپنی طرف کھینچتی سی گئی۔ اس مرحلے پر وہ پرمہمس کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ جس کو اُن کا دماغ قبول نہ کرسکتا تھا۔

اب ہر دن ہفتے میں ایک دو بار دکھشنیشور باقاعدہ آنے لگے۔ گورو کی باتوں کی بلا کسی روک ٹوک کے نکتہ چینی کرتے تھے۔ وہ اپنی دماغی آزادی سے کبھی ایک، لمحہ کے لئے بھی دست بردار نہ ہوئے۔ ایک بار پرمہمس کو انہوں نے یہ لفظ کہے "اگر کروڑوں آدمی آپ کو پرماتما کہکر پکاریں میں ابھی اُن کی تقلید نہیں کروں گا۔ جب تک کہ میں اس بات کو اپنے لئے ثابت نہ کرسکوں"۔ پرمہمس اُن کی نکتہ چینی کی قدر کرتے تھے۔ اوراُن کی تلاش حقیقت کی انتھک جستجو کو سراہتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہ جستجو حقیقت پرسے پردہ اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو گی۔ لیکن بعض اوقات اُن کی نکتہ چینی کی تیز دھار ناقابل برداشت ضرب لگاتی تھی۔ وہ پرمہمس کے منہ پر کہتے تھے "آپ کیسے جانتے ہیں کہ آپ کے کشف آپ کے گمراہ دماغ کی پیداوار نہیں ہیں۔ اور آپ خود فریبی میں مبتلا نہیں ہیں؟" ایسے وقتوں پر پرمہمس مانا

کالی کے درشن جاتے اور وہ اُن کو تسلی دیتیں کہ صبر کرو نرین کی آنکھیں جلد ہی کھل جائیں گی۔

پرمہنس ماتا کالی سے پرارتھنا کرتے رہے۔ کہ ان کی دماغی کشمکش دور ہو اور حقیقت کا پارس پتھر اُن کے دل کو چھو جائے۔ اُدھر سے نریندر عرفان کہمن کے متلاشی تھے۔ اور پرماتما کی ہستی کے ثبوت اُن کو تسکین نہ دے سکتے تھے۔ اُن کا مقولہ تھا کہ اگر پرماتما ہے تو اس کا ساکھشات کار عین ممکن ہے۔

دھیرے دھیرے نرین پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ جس گورو کو وہ پہلے دل کے رجحانات کا ہی شکار سمجھتے تھے وہ دماغی باریک بینیوں میں اُن سے دو قدم آگے ہے۔ بعد میں پرمہنس کے متعلق وہ کہا کرتے تھے کہ باہر سے وہ سرسبز بھگتی تارک کے پیرو نظر آتے تھے لیکن اندر سے پورے گیانی تھے۔ میری حالت بالکل اس کے برعکس ہے۔"

اب نرین اور پرمہنس کے تعلقات ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئے ایک طرف سے نرین پرمہنس سے دور رہنا چاہتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اُن کی کشش اس دوری کو ناقابل برداشت بنا دیتی تھی۔ پرمہنس کے لئے تو یہ جدائی خصوصاً موجب بیقراری بنتی جاتی تھی۔ نرین سے اُن کی محبت روز بروز بڑھتی گئی۔ اگرچہ اُن کے معتقدوں میں نرین کی صاف گوئی اور بے باک

نکتہ چینیوں نے اس کے لئے دشمن بھی پیدا کئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ نرین خالص سونا ہے۔ اور دنیا کی کوئی آلائش ان کو ملوّث نہیں کر سکتی۔ اگر نرین کچھ مدت کیلئے اُن کے پاس نہ آتے تو وہ کلکتہ کی گلیوں میں اُن کو دیکھنے کیلئے جاتے۔ ایک بار وہ سادھارن برہمو سماج کے مندر میں بھی جب وہاں پوجا ہو رہی تھی۔ اِس غرض کیلئے داخل ہوئے جس سے وہ نہایت دلآزار پھبتیوں اور بدنامی کے شکار ہوئے۔ نرین کے پاس یہ حرکات نازیبا تھیں۔ اور غضب میں آ کر انہوں نے برہمہنس سے سخت کلامی بھی کی تاکہ وہ ان کا اس طرح پیچھا نہ کریں۔ برہمہنس نے دُکھے دل سے سخت سُست الفاظ سُنے اور ماتا کالی سے صلاح پوچھنے گئے۔ واپسی پر انہوں نے نرین سے کہا "ارے زبان دراز! ماتا نے مجھے کہا ہے۔ کہ میں تجھے اس لئے محبت کرتا ہوں۔ کہ میں تم میں پرماتما کو دیکھتا ہوں اگر ایسا دن آئے جب میں اُس کو نہ دیکھوں گا۔ تو میں تمہاری شکل دیکھنا بھی برداشت نہ کر سکوں گا۔"

لیکن جلدی ہی اُن کے باہمی تعلقات نے پلٹا کھایا۔ ایسا وقت آیا جب برہمہنس نے نرین کی طرف مکمل بے رخی کا اظہار کرنا شروع کیا۔ وہ اوروں کے ساتھ گفتگو میں مشغول رہتے اور نرین سے پوری عدم توجہی سے پیش آتے۔ یہ حالت کئی ہفتوں تک جاری رہی۔ اس کے باوجود نرین آتے ہی رہے۔ برہمہنس نے اُن سے پوچھا "اب جبکہ میں

تم سے بولنا ہی نہیں تم یہاں کیوں آتے ہو؟" نریندر نے جواب دیا۔ "میں آپ کی باتیں سننے کیلئے نہیں آتا بلکہ مجھے آپ سے محبت ہے اور مجھے آپ کو دیکھنے کی ضرورت رہتی ہے"۔
گوردو نے بتدریج شاگرد کو قابو کر لیا۔ ایسا ہوتے ہوئے بھی شاگرد گوردو کے اعتقادات پر ہنسی اڑاتا۔ خاصکر اُن کے کالی کی مورتی کی پوجا اور خالص ادویت داد کو بیک وقت ماننے پر شاگرد کے خیال میں یہ اجتماع ضدین عقل سلیم کے لئے ناقابل قبول تھا۔ گوردو نے پوچھا "جب تم میری ماتا کو نہیں مانتے تو تم یہاں کیوں آتے ہو؟" نریندر نے جواب دیا "اگر میں یہاں آؤں تو کیا مجھے اُسے ماننا ہوگا؟" گوردو نے کہا۔ "کچھ دنوں میں تم نہ صرف اُس کو مانو گے بلکہ اُس کا نام سُنکر آنسو بہاؤ گے۔" بعد میں شاگرد پر یہ راز کھُلا کہ حقیقت بین نظر پتھر میں بھی پرماتما کو دیکھتی ہے۔ اور حقیقت ناآشنا دل پرماتما کو بھی پتھر بنا لیتا ہے۔
اسی طرح جب گوردو نے شاگرد کیلئے ادویت دیدانت کا دروازہ کھولنا چاہا تو شاگرد نے اس خیال کو دیوانگی کے مترادف مان کر اس سے روکیا۔ اور اس پر ہنسی اڑانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ایک بار وہ اور ایک شاگرد ازراہِ تمسخر یہ الفاظ کہتے ہوئے کہ "یہ برتن بھی پرماتما ہے۔ یہ مکھیاں بھی پرماتما ہیں"۔ کھلکھلا کر ہنس اٹھے۔ گوردو نے ملحقہ کمرے میں ہنسنے کی آواز سُنی۔ وہ نیم بیہوشی کی

حالت میں چُپ چاپ آگے اور نریندر کو چھو گئے۔ بس کیا تھا۔ ایک روحانی طوفان نے پھر نریندر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُن کی نظروں میں ساری دنیا دفعتًا بدل گئی۔ انہوں نے حیرانگی سے دیکھا کہ پرماتما کے بغیر کوئی چیز ہی نہیں۔ گھر واپس گئے جو کچھ دیکھا جو کچھ چھوا۔ جو کچھ کھایا سب پرماتما کا سوروپ تھا۔ اس مستی کے عالم میں انہوں نے کام کاج کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اُن کے والدین متفکر ہوئے۔ اس حالت میں انہوں نے کئی دن گذارے۔ اور پھر یہ مستی دور ہوئی لیکن بعد میں انہوں نے کبھی ادویت اوستھا کے وجود سے انکار نہ کیا وہ اور کئی روحانی طوفانوں میں سے گذرے۔ دیوانہ وار "شِو۔شِو" دہراتے رہے۔ اور اِس حالت میں انہوں نے بارہ ۱۲ سال گذارے۔

۱۸۸۴ء کے شروع میں ان کے والد وشوانا تھ دت کا انتقال ہوا۔ وہ فضول خرچ اور روپے پیسے کے معاملہ میں بے پرواہ واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے پسماندگاں کیلئے کوئی سرمایہ نہ چھوڑا۔ بلکہ اُن کے کندھوں پر قرض کا بوجھ ہی ڈالدیا چھ سات کھانے والے تھے۔ اور گذارہ کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اُس دن سے نریِن کو آلام دنیا سے شدت سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے ملازمت کی بسیار تلاش کی۔ لیکن بے سود۔ وہ دوست جو پہلے دنوں میں اُن کی امداد کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اب اُن کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ لبا اوقات وہ بھوک

سے قریب المرگ ہو گئے۔ ننگے پاؤں وہ دفتروں کی خاک
چھانتے رہے۔ لیکن ہر طرف سے دھکے ہی کھاتے رہے۔
ان کو انسانی ہمدردی کا پورا تجربہ ہو گیا۔ ان کو معلوم
ہو گیا۔ کہ دنیا میں کمزوروں اور غریبوں کے لئے کوئی جگہ
نہیں۔ ان کو محسوس ہونے لگا کہ دنیا شیطان کی تخلیق ہے۔
کئی دیالو پرماتما کی نہیں۔ ایک بار انہوں نے ایک دوست کو جبکہ
وہ پرماتما کی لاتعداد رحمتوں سے متعلق ایک بھجن گا رہا تھا۔
غصے میں آ کر یہ الفاظ کہتے ہوئے ڈانٹا۔ "یہ بھجن گانا بند کرو
ایسی باتیں اُن لوگوں کو سجتی ہیں۔ جن کو سارے عیش عشرت
کے سامان میسر ہوں۔ نہ کہ ان کو جن کے گھر والے بھوکے
مر رہے ہوں"۔ کئی بار جب وہ دیکھتے تھے کہ گھر میں کھانے کو
کھانا نہیں ہے۔ وہ اپنی ماتا کو کہتے تھے کہ ان کو کسی دوست
کے گھر دعوت ہے۔ اور خود اس غرض سے فاقہ کشی کرتے
تھے۔ کہ ان کا حصہ باقی گھر والوں کیلئے بچ جائے۔ لیکن
اس عرصے میں بھی وہ ہر صبح پرماتما کو پرارتھنا کرتے رہے
ایک دن اُن کی ماں جن کی بھگتی کو مصیبتوں نے ہلا دیا تھا
نے اُن کی ایشور پرارتھنا سُنکر ان سے کہا "مورکھ چپ رہو
تم بچپن سے گلا پھاڑ پھاڑ کر بھگوان کی استتی کرتے رہے
ہو اور یہ مصیبت ہم پر آ گئی ہے"۔
اب نریندر خود مصیبت سے بے بس ہو کر پرماتما کے
خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے غصے میں آ کر

یہ سوال اٹھایا کہ اگر پرماتما دیالو ہے تو لاکھوں لوگ چند لقموں کے نہ ملنے سے کیوں موت کا شکار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا کہ یا تو پرماتما ہے ہی نہیں۔ یا وہ شر کرنے والا ہے۔ ان کی شہرت بطور ایک ناستک کے چاروں طرف پھیل گئی اور ان کی نیت۔ اُن کے عادات۔ اُس کی بے اعتقادی پر ہر طرف سے آوازیں کیے گئیں پرمہمس کے کئی شاگردوں کو جنہوں نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا "صرف بُزدل لوگ ڈر سے پرماتما میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ آپ سمجھانے کی تکلیف نہ کریں"۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اُن کو یہ خیال کہ پرمہمس کیا کہیں گے۔ پریشان کئے دیتا تھا۔ سب نے سمجھا کہ نریندر اب راہ راست پر نہیں آئیگا لیکن پرمہمس کا وشواس غیر متزلزل رہا۔ اِسی محبت اور وشواس نے گورو اور شاگرد کو ہمیشہ کے لئے ایک کر دیا پرمہمس مناسب موقعہ کا انتظار کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نرین کی رستگاری اُن کے ہی ہاتھ میں ہے۔

وقت گذرتا گیا۔ نرین تلاش معاش میں بدستور سرگرداں رہے۔ ایک شام کو جبکہ انہوں نے کچھ بھی نہ کھایا تھا وہ سڑک کے کنارے ایک گھر کے سامنے تھکاوٹ اور ضعف کی وجہ سے گر پڑے۔ وہ غش کی سی حالت میں پڑے رہے۔ یکایک ان کو محسوس ہوا کہ جو پردے اُن کے دل پر پڑے ہوئے تھے وہ چاک ہو گئے ہیں۔ اور روشنی کا ظہور

ہوا ہے۔ اُن کے مشکوک رفع ہوئے۔ اور وہ یہ اعلان کرنے کے قائل ہوئے کہ "میں نے دیکھ لیا ہے۔ میں نے حقیقت کو مان لیا ہے۔ اُن کے دل اور جسم کو سکون حاصل ہوا۔ وہ گھر کے اندر چلے گئے اور رات دھیان میں گذاری۔ صبح کو انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس فیصلہ کو عمل میں لانے کے لئے انہوں نے دن بھی مقرر کیا۔

پرمہہمس اُسی دن بلا کسی اطلاع کے کلکتہ آئے اور نرین کو انہوں نے وہ رات دکھنیشور میں گذارنے پر مجبور کیا۔ پرمہہمس نے کچھ بھجن گائے جس سے نرین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ گورو نے شاگرد کے ارادے کو بھانپ لیا تھا۔ وہ نرین سے یوں مخاطب ہوئے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن میری خاطر تم اس میں اتنی دیر رہو جتنی دیر میں زندہ ہوں۔"

نرین کو گھر لوٹے۔ اُن کو ایک معمولی سی نوکری مل گئی تھی۔ لیکن یہ مستقل نہ تھی۔ اور ان کی روزی کا مسئلہ بدستور حل طلب رہا۔ انہوں نے پرمہہمس سے التجا کی کہ وہ ان کے اور اِن کے گھر والوں کیلئے دعا کریں۔ پرمہہمس نے جواب دیا "میں ایسی دعا مانگ نہیں سکتا۔ تم خود کیوں نہیں مانگتے؟" نرین کالی ماتا کے مندر میں گئے۔ لیکن جب وہ واپس آئے اور پرمہہمس نے اُن سے

دعا کے متعلق پوچھا۔ تو اُن کو یاد آیا کہ وہ اپنی مصیبت کیمتعلق دعا کرنا بھول گئے ہیں۔ وہ دوسری اور تیسری بار بھی مندر میں گئے۔ لیکن جونہی وہ مندر میں داخل ہوتے تھے۔ اُن کی دعا کا مقصد اُن کے من سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ تیسری بار ان کو مندر میں آنے مقصد یاد تو رہا۔ لیکن اُن کو ایسی دعا مانگنے میں شرم آئی۔ کیا ایسی حقیر چیزوں کیلئے ماتا سے پرارتھنا کی جائے؟ بجائے اس کے انہوں نے یہ دعا مانگی، "ماتا مجھے صرف تمہاری بھگتی اور تمہارا گیان چاہئیے۔ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اُس دن سے اُن کیلئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ لیکن وہ اس نئی زندگی میں اپنی مصیبت کے دن کبھی نہ بھولے۔ نہ ہی اُن کے دل سے تمام دنیا کے دُکھ میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے درد کا احساس ہی کبھی مٹ گیا۔ انہوں نے اعلان کیا۔ "میں پرماتما کو تمام روحوں کے اجتماع میں دیکھتا ہوں اور سب سے بڑھکر میں اس کا مشاہدہ تمام قوموں کے بدکرداروں، دکھیوں اور غریبوں میں کرتا ہوں۔ اور اس کو اسی روپ میں مانتا ہوں"۔ اب سے پرمہنس کا کوئی شاگرد اُن کا اتنا مطیع و فرمانبردار نہ تھا۔ جتنا کہ نرین۔ وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے۔ کہ بعض اوقات وہ ایک ہی ہستی معلوم ہوتے تھے۔ نرین یکدم نردوکلپ سمادھی میں مستغرق ہونا چاہتے تھے۔ لیکن پرمہنس نے اُس کو روکے رکھا۔ گورو کی زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے بہت اصرار کیا۔ کہ ان کو اس سمادھی میں جانے کی

اجازت دی جائے۔ لیکن گورو نے صاف انکار کیا۔ ایک دن اُس کو یہ سمادھی آ ہی گئی۔ جب نریندر اس سے نکلے تو گورو کے پاس گئے۔ گورو نے ان کو کہا۔ "کیا تم اب سمجھ گئے؟ لیکن اب اس سمادھی پر تالا لگے گا۔ تم کو ماتا کا کام کرنا ہے۔ جب وہ ختم ہوگا تو وہ تالا کھولے گی۔" نرین نے جواب دیا۔ "گوروجی میں سمادھی میں آنند میں رہا۔ اس آنند میں دُنیا بھول بیٹھا تھا۔ مجھے اُسی حالت میں رہنے دیجئے۔" گورو نے سخت لہجے میں کہا۔ "شرم ہے۔ تم ایسی بات کس طرح کہتے ہو؟ تم اب تک معمولی انسان کی طرح اپنے آنند کا ہی خیال رکھے ہوئے ہو۔ تم کو دنیا میں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ تم انسانوں میں روحانی بیداری لاؤ گے۔ اور غریبوں اور بےکسوں کے دکھوں کو دور کرو گے۔ سمادھی کی حالت تمہارے لئے بالکل قدرتی بن جائے گی۔ اور معمولی حالت میں بھی تم ہر چیز میں وحدت کا جلوہ دیکھو گے۔"

نرین برہمچریہ اور تپاگ کے بل سے سوامی وویکانند بن گئے۔ انہوں نے شادی کی تمام پیش کشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرایا۔ ان کے گورو نے وِواہ تو کیا تھا۔ لیکن وہ عملاً سمپورن برہمچاری رہے۔ اس طرح اس پہلو میں بھی گورو اور چیلے کی زندگیاں متوازی خطوط پر چلتی ہیں البی تپسیا مہاپرشوں کے حصہ میں ہی آسکتی ہے۔

آخر وہ روز پُرحزن (۱۶ اگست ۱۸۸۶ء) آگیا۔ جب

سنتا گرودل کے سر سے لاثانی گورو کا سایہ اُٹھ گیا۔ ایسے گورو کا جن کے متعلق سوامی وویکانند نے بعد میں کہا۔ کہ "جو جو اچھی بات میرے منہ سے نکلی ہے وہ میرے گورو کی ہے۔ اور جو بات درست نہیں وہ میری اپنی ہے" گورو نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بھگتوں میں سے بارہ چیلوں کو اُن کا مقصد عظیم پورا کرنے کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اور ان کی سرداری نریندر کو سونپ دی تھی۔ گورو کے بعد چیلوں نے بھی بالاتفاق رائے اپنا سرتاج تسلیم کر لیا۔ انہوں نے ہمت اور استقلال سے اپنے ساتھیوں کو گورو کی جدائی کے رنج و الم سے باہر نکالا۔ اور گورو کے منشاد کے مطابق جو کام انہوں نے انجام دینا تھا۔ اُس کی طرف اُن کو متوجہ کیا۔ مالی ذرائع اُن کے پاس کچھ نہ تھے۔ لیکن باہمی تعاون سے انہوں نے گنگا کے کنارے بڑانگر میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا۔ اور یہ پہلا پرمہنس رام کرشن مٹھ تھا۔ یہاں ہی انہوں نے سنیاس کا پرن تھا۔ یہاں ہی سوامی جی کی رہنمائی میں انہوں نے مختلف علوم کے مطالعہ اور باہمی تبادلہ خیالات سے اپنے اندر دُنیا میں گورو کے پیغام کا پرچار کرنے کی صلاحیت پیدا کی۔ سوامی جی کی سعی سے سنیاسیوں کی ایک ایسی جماعت وجود میں آئی جو سوادھیائے اور دھیان میں مصروف ہوتے ہوئے دُنیا کے میدان عمل اُتر آئی اور بنی نوع انسان کو روحانی حقیقتوں سے روشناس کرنے اور خدمت خلق کو انجام دینے کیلئے کمربستہ

سوامی جی کی باعمل رہنمائی کی بدولت اس چھوٹی سی بنیاد سے وہ عظیم الشان تنظیم وجود میں آئی جس کی شاخیں نہ صرف بھارت میں، بلکہ امریکہ اور یورپ میں بھی قائم ہوئی ہیں اور جو ویدانت کا پرچار کرنے کیلئے عالم و فاضل سنیاسیوں کو مغربی ممالک میں بھیجتی رہتی ہے۔ اور بھیجتی رہے گی۔

پرمہنس کے دیہانت کے بعد سوامی جی دو سال تک بڑانگر میں ہی اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کرتے ہوئے مقیم رہے۔ ۱۸۸۸ء میں انہوں نے دہلی۔ الہ آباد۔ لکھنؤ۔ آگرہ ہتھراس۔ علاقہ ہمالیہ وغیرہ کا دورہ کیا۔ ہتھراس میں سٹیشن ماسٹر شرت چندر گپتا نے اُن کی شاگردی قبول کی۔ اور بعد میں سنیاس اختیار کرنے پر سدانند کے نام سے مشہور ہوئے۔ علاقہ ہمالیہ میں اُس کو بڑی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ مدت کے بعد وہ بڑانگر واپس آئے۔ اور پھر قریباً ایک سال کے بعد غازی پور وغیرہ مقامات کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ غازی پور میں انہوں نے مشہور عارف پوہری بابا سے ملاقات کی۔ ہمالیہ کی برفانی بلندیوں میں روحانی مشن کے لئے کچھ وقت گذارنے کی تمنا اُن پر غالب آئی اور جولائی ۱۸۹۰ء میں وہ سوامی اکھنڈانند جو تبت کی سیر و سیاحت سے لوٹ آئے تھے، کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوئے۔ ہمالیہ کے پُر کیف مناظر نے اُن کو مسرور کر دیا اور اس کی خلوتوں میں وہ گہرے روحانی مشاہدات میں مشغول رہے۔ فروری ۱۸۹۱ میں اُن کا سارے بھارت کا

دورہ شروع ہوا۔ جو دو سال تک جاری رہا۔ اس دورہ میں وہ تمام قسم اور درجوں کے لوگوں سے ملے۔ انہوں نے شمال سے جنوب تک ہر جگہ سطحی اختلافات کے نیچے بنیادی وحدت کی جھلک دیکھی۔ ساتھ ہی انہوں نے جگہ جگہ ہیبت ناک افلاس کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس حالت سے متاثر ہو کر انہوں نے فرمایا کہ روحانیت خالی پیٹ کیلئے نہیں ہے۔ مہاراجہ میسور کو انہوں نے کہا "کہ امریکہ کو روحانیت کا تحفہ پیش کرنے کیلئے جا رہا ہوں اور وہاں سے بھارت کیلئے مادی امداد لے آؤں گا۔" سوامی برہمانند اور ترییا نند کو انہوں نے کہا۔ کہ افلاس کو دُور کرنے کی کوشش کے بغیر روحانیت کا پرچار کرنا فضول ہے سوامی جی کی ہر بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ بنی نوع انسان کے دُکھ درد اُن کو کس قدر بیقرار کئے رہتے تھے۔

۱۸۹۲ء کے آخیر میں وہ راس کماری سے مدراس روانہ ہوئے۔ یہاں اُن کے شاگردوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ اور یہاں ہی امریکہ کی (Parliament of Religions) میں شامل ہونے کا ارادہ پختہ ہو گیا۔ ۱۸۹۳ء مارچ کے مہینے میں امریکہ کے سفر کے اخراجات کیلئے روپیہ فراہم کرنے کا کام شروع ہوا۔ امریکہ روانہ ہونے سے پہلے وہ مہاراجہ کھیتری جو اُن کا شاگرد تھا کی۔ درخواست پر کھیتری تشریف لے گئے۔ اور یہاں ہی انہوں دویکانند کا نام اختیار کیا۔

۳۱ مئی ۱۸۹۳ء کو وہ بمبئی سے امریکہ کے سفر پر

روانہ ہوئے۔ سیلون۔ پینانگ۔ سنگاپور۔ ہانگ کانگ۔ کنٹن ہوتے ہوئے وہ ناگاساکی پہنچے۔ یہاں سے خشکی کے راستے یوکوہامہ۔ راوساکا۔ کیوٹو۔ ٹوکیو چلے گئے۔ پھر یوکوہامہ سے بذریعہ جہاز (Vancouver) وین کوور روانہ ہوئے۔

وسط جولائی ۱۸۹۳ کو وہ شکاگو پہنچے۔ وہاں سے وہ بوسٹن کو روانہ ہوئے۔ ریل کے سفر میں اُنکی ملاقات ایک دولتمند خاتون کے ساتھ ہوئی۔ جس نے انکا تعارف (Harvard University) کے پروفیسر J.H. Wright کے ساتھ کرایا۔ پروفیسر صاحب جو انکے علم و فضل سے متاثر ہوئے نے انتخابی کمیٹی کے صدر (Dr Barrows) کو انکے متعلق لکھا۔ اور ممبران کمیٹی کے نام بھی تعارفی خطوط دئے۔ Boston میں کچھ مدت ٹھہر کر وہ پھر (Chicago) روانہ ہوئے۔ ریلوے سٹیشن پر پہنچکر اُن کو بے حد مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ جب کہ اُن کو وہ کاغذ جس پر (Committee) کا پتہ انہوں نے درج کیا تھا۔ نہ ملا۔ اِدھر اُدھر لوگوں سے پوچھا۔ لیکن کہیں سے خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ ایسی ادھیڑ بن کی حالت میں جبکہ ان کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ وہ سڑک کے ایک کنارے پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً ایک عالی شان مکان کے اندر ایک خاتون (Mrs George) نکل آئی۔ اور اُن کی شخصیت سے متاثر ہو کر اُس نے اُن سے پوچھا کیا آپ Parleament of Relgions میں کسی نمائندے کی حیثیت سے آئے ہیں

سوامی جی نے اپنی مشکلات کی ساری داستان سنائی۔ خاتون نے بڑے تپاک سے گھر کے اندر بلایا۔ اور وعدہ کیا کہ ناشتہ کے بعد وہ ان کو خود (Parliament of Religions) کے دفتر پر پہنچا دے گی۔ سوامی جی قدرتاً اس فیاض خاتون کے بے حد شکرگذار ہوئے اور اس کا خاوند اور اس کے بچے سب اُن کے گہرے دوست بن گئے۔ Miss Hale کے ساتھ وہ دفتر مذکور پر گئے اور وہاں انکی نمائندگی تسلیم کی گئی۔

۱۱ ستمبر ۱۸۹۳ء کو Parliament of Religions کی پہلی بیٹھک منعقد ہوگئی۔ دنیا کے تمام مذاہب کے چیدہ نمایندے حاضر تھے۔ سب نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کیں۔ جب سوامی جی کی باری آئی تو انہوں نے حاضرین کو "امریکی بہنو اور بھائیو"۔ ان الفاظ سے خطاب کیا۔ اس غیر رسمی خطاب نے مجلس میں جذباتی ہیجان پیدا کیا۔ سامعین آپے سے باہر ہو کر اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے۔ اور کافی دیر تک بے اختیار تالیاں بجاتے رہے۔ آخر جب یہ شور ختم ہوا تو سوامی جی نے اپنے آپ کو دنیا کی قدیم ترین سنیاسی تنظیم کا نمائندہ ظاہر کیا۔ ہندو دھرم کو تمام مذاہب کا منبع بیان کیا۔ اور اس کی رواداری اور دیگر مذاہب کو تسلیم کرنے کی خصوصیت واضح کی۔ انہوں نے ویدانت کی ہمہ گیر سچائیوں پر روشنی ڈالی اور اس کو آئندہ دنیا کا واحد مذہب قرار دیا۔ سوامی جی کی مقناطیسی شخصیت۔ اُن کی آواز۔ ان کا سنیاسی لباس۔ ان کا طرز تقریر اور اُس تقریر کا بلند پایہ

معلوم اِن سب نے مل کر حاضرین پر وہ جادو کا اثر کر ڈالا۔ کہ باقی سب تقریریں پھیکی پڑ گئیں۔ حاضرین میں سے خواتین خصوصاً جذبات کی رو میں بے بس ہو کر بہ گئیں۔ اور تقریر کے خاتمہ پر انہوں نے سوامی جی کو اس طرح گھیر لیا۔ کہ گویا وہ اُن سے جُدا نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ اخباروں میں سوامی جی کی دھوم مچ گئی۔

امریکہ کے ایک سرکردہ اخبار نے رائے ظاہر کی کہ سوامی جی بلاشک وشبہ (Parliament of Religions) میں سب سے بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ اس اخبار نے یہ بھی لکھا کہ سوامی جی کی تقریر سے عیاں ہوتا ہے کہ اس عالم فاضل قوم کے لئے مشنری بھیجنا کتنا احمقانہ فعل ہے۔ اب سوامی جی تمام امریکہ بلکہ ساری دنیا میں مشہور ہو گئے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہو گا کہ اُن کی تقریر نے دنیا کو ہلا دیا۔ کئی سربرآوردہ لوگ اُن کی حلقہ شاگردی میں داخل ہوئے۔ ہندو دھرم کی اصلیت اور عظمت پہلی بار مغربی دنیا پر آشکارا ہو گئی۔ اور عیسائی مشنریوں کی ہندو دھرم اور کلچر کو بدنام کرنے کی باطل پرور اطلاعات کا پردہ چاک ہوا۔ اس سے پہلے بھارت کو عیسائیت کے پرچار کا بہترین میدان سمجھا جاتا تھا۔ اب مغربی ممالک ویدانت کے دلدادہ بن گئے۔ اور بڑے چاؤ سے اس کے پرچار کا خوش آمدید کرنے لگے۔ ایک (Lecture Bureau) جو اُن سے مختلف مقامات میں لیکچر کرانا چاہتا تھا۔ کی پیش کش انہوں نے

محض اسلئے منظور کی کہ اُس سے وہ ماتر بھومی بھارت کی کچھ خدمت کر سکتے تھے۔ بھارت کی سیوا۔ بھارت کو اُبھارنا بھارت کے افلاس اور اس کی لپت حالی کو دور کرنا اُن کا عظیم مقصد تھا اور اس نے بے مثال عزت افزائی میں بھی بھارت کی زبون حالی کی یاد اُن کو ہر وقت ستاتی رہتی تھی۔ جب اس عظیم کارنامے کی خبر بھارت میں پہنچی۔ تو لوگ خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے اُن کا سر اونچا ہو گیا۔ وہ سوامی جی کو اپنا سب سے بڑا قومی لیڈر تسلیم کرنے میں۔ فخر محسوس کرنے لگے۔

۱۸۹۴ء کی سردیوں میں وہ مختلف تعلیمی اور کلچرل مراکز کے دورے سے (New York) واپس آئے۔ انہوں نے (Brooklyn Ethical Association) کی یہ پیشکش منظور کی کہ وہ لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کریں۔ روحانی پیاس رکھنے والے کئی لوگوں کا گروہ انکے گرد جمع ہو گیا۔ انہوں نے اُن پر راج یوگ اور گیان یوگ کے رموز واشگاف کئے۔

جون ۱۸۹۵ تک سوامی جی اپنے تعمیری کام ٹھوس بنیادوں پر رکھ چکے تھے۔ اُنہوں نے راج یوگ کا نسخہ تکمیل کو پہنچایا۔ کام کی رفتار تیز ہو گئی۔ اور اس خیال سے وہ مطمئن ہوتے کہ سناتن دھرم کے اصول امریکی دماغ میں جاگزین ہوتے جا رہے تھے۔

ایک خاتون نے دریا St- Lawrence کے ایک بڑے جزیرے میں واقع اپنا خوب صورت مکان انکی رہائش کیلئے

پیش کیا۔ یہاں انہوں نے سات ہفتے گذار دیئے۔ یہاں ان کا
الہامی کلام (Inspired Talks) کی صورت میں قلمبند کیا گیا۔
یہاں ہی (song of the sanyasin) نام کی نظم بھی لکھی گئی یہ یہاں
دہ بارہ شاگردوں کے گردہ کو روحانی باتوں کی واقفیت
پہنچاتے رہے۔ ان میں (Miss Greens Tidel
جن کا دوسرا نام (siter christine) رکھا گیا۔ اور ایک
نوجوان انگریز (J. J. Goodwin) جو بحیثیت اُن کے سیکرٹری
کے کام کرتے رہے اور امریکہ میں اُن کے بوئے بیج کی آبیاری کی
شامل تھے۔ جزیرہ مذکور سے New York واپس آکر دہ ستمبر
۱۸۹۵ میں انگلستان کو روانہ ہوئے۔ تاکہ وہاں بھی امریکہ
کی طرح ویدانت کا پرچار کریں۔ وہاں نومبر کے اخیر تک ٹھہر کر وہ
امریکہ میں شروع کئے گئے کام کو پختہ بنانے کیلئے پھر وہاں آگئے
فروری ۱۸۹۶ء میں انہوں نے Public lectures
کا سلسلہ بند کیا۔ اور Vedanta Society of New York
کی بنیاد ڈالی۔ اُن کو Harward University
Columbia اور کی Oriental Philosophy میں
میں سنسکرت کی کرسی پیش کی گئی۔ لیکن University
انہوں نے ان پیش کشوں کو منظور نہ کیا۔ انتھک محنت و مشقت
کی وجہ سے اُن کی صحت کمزور ہونے لگی۔ اپریل ۱۸۹۶ کو وہ
دوسری بار انگلستان روانہ ہوئے۔ اور جولائی کے آخیر تک
وہاں مقیم رہے۔ اور اسی سال تیسری بار ماہ اکتوبر میں پھر وہاں

چلے گئے۔ اور وسط دسمبر تک وہاں ٹھہرے۔ انگلستان میں وارد ہونے کے اوقات پہ اُن کے انگریز دوست اُن کا پُرجوش استقبال کرتے رہے۔ ان دوستوں میں Mr. E. T. Sturdy) اور Miss Henrietta Muller) Miss Noble خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

دوسری بار انگلستان وارد ہونے کے وقت انہوں نے سوامی شاردانند جن کو انہوں نے وہاں بلایا تھا کو دیکھا۔ وہ (Mr. Sturdy) کے مہمان تھے اور ویدانت کی باضابطہ تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ سوامی جی یہاں پرائیویٹ اور پبلک لکچر دیتے رہے۔

۲۸ مئی ۱۸۹۶ء کو اس کی (Max Muller) کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ یہاں (Mr. Mrs Sevier) اُن کے شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ لندن میں کام کرتے کرتے سوامی جی کی صحت اور بھی کمزور ہو گئی۔ دوستوں نے یورپ کے دیگر ممالک کی سیاحت کرنے کی دعوت دی۔ جس کو انہوں نے منظور کیا۔ ۱۸۹۶ کا موسم گرما انہوں نے Switzerland میں گذارا۔ (Paul Deussen) مشہور جرمن ویدانتی نے ان کو (Kiel) کے مقام پر اُسے ملنے کی التجا کی۔ سوامی جی نے کئی یوروپ کے شہروں کی سیاحت کی اور پھر لندن کو لوٹے (Paul Deussen) اُن سے وہاں ہی ملاقی ہوئے۔ لندن میں انہوں نے دو ماہ اور قیام کیا۔ اسی دوران میں وہ کئی برگزیدہ

ہستیوں کے علاوہ (Max Muller) سے پھر ملاقی ہوئے۔ انہوں نے ویدانت پر لکچروں کا نیا سلسلہ شروع کیا۔ مسلسل محنت سے ان کی صحت پر بُرا اثر پڑ گیا۔ اب وہ ہندوستان لوٹنے کی خواہش کرنے لگے۔ انہوں نے سوامی سارادانند کو امریکہ میں اور سوامی ابھیدانند کو لندن میں کام کرنے کیلئے متعین کیا۔

۱۶۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہمراہی (Mr. & Mrs. Sevier) منجملہ دیگر مقامات کے Italy کا دورہ کرتے ہوئے Naples پہنچے۔ یہاں (Mr. Goodwin) اُن کے ساتھ شامل ہوئے۔ ۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو سوامی جی (Naples) سے کولمبو روانہ ہوئے۔ اور ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو کولمبو پہنچے۔ یہاں اُن کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ اُن پر پھول برسائے گئے اُن کے جلوس نکالے گئے۔ بھارت کے نزدیک پہنچنے کے سبب بھارت میں ابھی سے لوگوں کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔ کولمبو میں انہوں نے کئی جلسوں میں تقریریں کیں اور یہاں دس دن قیام کیا۔

جونہی انہوں نے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھا تو سارے ملک میں ایک جذباتی طوفان بپا ہوا۔ لوگوں کے جوش وخروش کی کوئی حد نہ رہی۔ جلوس نکالے گئے باجوں کی گونج ہر طرف سنائی دینے لگی۔ گوے سر کئے گئے۔ راجوں کی گاڑی کو کھینچنا اپنے لئے فخر مانا۔ مدراس میں جوش

انتہا کو پہنچا۔ ان کے راستے میں ڈیوڑھیاں کھڑی کی گئیں۔ مختلف زبانوں میں سپاسنامے پیش کئے گئے۔ شہر کا سارا کاروبار سارے دن کیلئے بند کیا گیا۔ یہاں بھی انہوں نے کئی لیکچر دیدانت۔ ملک کو جگانے کا پروگرام۔ ملک کا مستقبل کے موضوعات پر دئے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں زندگی کا مرکز مذہب ہے۔ اپنشدوں میں موجود سچائیوں کی ملک بھر میں اشاعت کی جانی چاہئے۔ ایک ہی آتما سب جیوں میں جلوہ فگن ہے۔ ہمیں انسان بنانے والے دھرم کی ضرورت ہے۔ وہ دھرم جو انسانوں کو سچائی۔ پاکیزگی علم اور قوت بخشے۔ ہمارے دلوں میں دبے ہوئے بھوکے غریب ہم وطنوں کیلئے درد ہونی چاہئے۔ خود غرضی کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہئے۔ ہماری قوت ارادی ایسی مضبوط ہونی چاہئے کہ وہ تمام مشکلات کو ہیچ سمجھے۔ بنگال میں بھی جیسا متوقع تھا۔ ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ یہاں وہ ان کو کاسی پور میں گوپالی لال سیل کے عالیشان مکان میں گذارتے تھے۔ اور رات کو وہ مٹھ میں خواب علم بازار میں ٹھاکرتے تھے ۲۸، دسمبر ۱۸۹۷ء کو کلکتہ کے شہریوں کی طرف ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جلسے کی صدارت راجہ بنے کرشن دیو بہادر نے کی جنہوں نے سوامی کا تعارف کرتے ہوئے ان کو ملک کی سب سے بڑی قومی ہستی کا خطاب دیا۔ کلکتہ میں قیام کے دوران میں اُن کے پاس بڑے بڑے لوگ آتے

لیکن اُن کا دل ہمیشہ تعلیم یافتہ ناشادی شدہ نوجوانوں کے ساتھ تھا۔ جن کو وہ اپنی روحانی ترقی اور دنیا کی خدمت کیلئے تربیت دینا چاہتے تھے۔ کلکتہ میں ان کی خاص دلچسپی علم بازار مٹھ میں مرکوز رہی وہاں انہوں نے سنیاسیوں کو مکتی کے خیال اور گوشہ نشینی کے مشغلوں سے نکال کر عوام کی بہبودی خدمت خلق اور روحانی ہمہ گیریت کی طرف رجوع کیا۔ سوامی رام کرشن آنند کو انہوں نے مدراس میں ویدانت کے پرچار کا مرکز کھولنے کیلئے اور سوامی اکھنڈانند کو مرشد آباد میں قحط زدہ لوگوں کی امداد کیلئے بھیجا۔ چیدہ چیدہ نوجوانوں کا ایک گروہ ان کی تنظیم میں داخل ہوا۔ سنیاسی تنظیم کے مراکز۔ خدمت کے گھر پلیگ سیلاب قحط وغیرہ کی مصیبتوں کی روک تھام کیلئے امدادی مراکز کی بنیاد ڈالی گئی۔

یکم مئی ۱۸۹۷ء کو پرمہنس کے سنیاسی اور گرہستی چیلوں کی ایک نمائندہ مجلس منعقد کی گئی۔ جس میں ایک تنظیم جس کا نام (Ramkrishna Association)

رکھا گیا۔ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس تنظیم کا مقصد سنیاسیوں کی تربیت کیلئے بھارت کے مختلف حصوں میں مٹھ اور آشرم کھولنا تھا۔ یہ تنظیم تب پیدا ہوئی جب بیلور مٹھ قائم کیا گیا۔ لیکن موجودہ رام کرشن مشن اس چھوٹی سی بنیاد سے ہی پیدا ہوا۔ اس مشن کو ۱۹۰۹ میں رجسٹرڈ کیا گیا۔

مئی ۱۸۹۷ سے جنوری ۱۸۹۸ تک سوامی جی نے شمالی

ہند کا طوفانی دورہ کیا۔ جگہ جگہ انہوں نے ملک کی نئی زندگی کا بیج بویا اور اپنے ملکی لوگوں پر اپنے موروثی کلچر کی عظمت واضح کر دی۔ وسط جنوری ۱۸۹۸ میں وہ کلکتہ واپس آئے۔ فروری ۱۸۹۸ میں مٹھ کو علم بازار سے بیلور منتقل کیا گیا۔

جنوری کے اختتام پر Miss Margret Noble اور Miss Henreetta Muller ہندوستانی خواتین کے لئے نمونے کے تعلیمی ادارے قایم کرنے کے لئے بھارت میں وارد ہوئیں۔ Miss Josephine اور Mrs ole Bull Macleod) فروری میں آگئیں۔ مارچ ۱۸۹۸ میں (Miss Margret Noble) نے برہمچریہ کا ورت لیا۔ اور (Nivedita) کا نام اختیار کیا۔ سوامی جی کو اپنے مغربی شاگردوں کو تربیت دینے کا فکر دامنگیر ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ شاگرد ملک کے مسئلوں کو اچھی طرح سمجھیں۔ اور مغربی آدرشوں اور سائنسی کلچر کے طریقوں کو ان کے حل کرنے میں استعمال کریں۔

اب سوامی جی چیدہ شاگردوں کی معیت میں بھارت کے تاریخی مقامات کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ اس دورے میں وہ پھر المورہ گئے۔ اور وہاں سے کشمیر کی یاترا پر روانہ ہوئے۔ جولائی ۹۸ء کے آخیر میں وہ امرناتھ گپھا کی یاترا کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲ر اگست کو گپھا پر پہنچے۔ یہاں ان پر غیر معمولی

روحانی کیفیت طاری ہوئی۔ کئی دن متواتر شو۔ شو ہی کہتے رہے۔ اس کے بعد ان کا دھیان ماتا پر لگا۔ (Kali the Mother) کی نظم لکھ ڈالی۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۸ کو اکیلے ہی کھیر بھوانی روانہ ہوئے کچھ دنوں کے بعد جب شاگردوں سے جا ملے تو اُن کے چہرے سے روحانی نور بھرپور ٹپک رہا تھا۔ شاگردوں کو کہنے لگے "یہ سب کچھ ماں ہی ماں ہے۔ لیڈر کارکن گورو سب غائب ہیں۔ سرینگر میں سنسکرت کالج قائم کرنیکا ارادہ بار ور نہ ہو سکا۔ کیونکہ انگریز رزیڈنٹ نے اجازت دی۔

کشمیر سے وہ لاہور چلے گئے۔ اُن کی صحت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ سوامی شاردانند۔ ان کو واپس بنگال لے آئے۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں وہ بیلور پہنچے۔

۲ جنوری ۱۸۹۹ء کو بیلور مٹھ رام کرشن مٹھ کے سنیاسیوں کا مستقل صدر مقام بن گیا۔ سنیاسیوں پر سوامی جی نے اُن کے فرائض ذہن نشین کئے۔ "اپنے اوپر وشواس رکھو۔ مٹھی بھر مضبوط آدمی دنیا کو ہلا سکتے ہیں۔

ہمیں اوروں کی نجات کے در پے رہنا ہے۔ اور اگر دوسروں کے لئے کام کرتے ہوئے تمہیں دوزخ میں بھی جانا پڑے تو یہ اس سے بہتر ہو گا۔ کہ تم اپنی نجات کی تلاش میں بہشت میں پہنچو۔

سوامی شاردانند کو امریکہ سے واپس بلایا گیا۔ سوامی جی خرابی صحت کے باوجود بھارت کی تعمیر نو کیلئے اور ودیا تنت

تھا کہ وید اٹل سچائیوں کے خزانے ہیں۔ اور ہندو دھرم کے بنیادی اصول جو ان میں موجود ہیں۔ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا سکتے ہیں۔ ہندو دھرم کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ان بنیادی اصولوں کے تحت وہ ہر فرد کو روحانی مقصد کے حصول کیلئے اپنے دل کے رجحانات کے مطابق پسند خاطر راستے کو اپنانے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ دوسرے مذہب بھی سچے ہیں اور اُن کے بنائے ہوئے راستے اُن کے پیروؤں کیلئے ٹھیک ہیں۔ بھارت میں اگر ویدانت کے دماغ کے ساتھ اسلام کا جسم یعنی عملی پہلو جڑ جائے تو ملک سرعت کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔ ہندوؤں میں جو مختلف فرقے ہیں وہ بیشک اپنے اپنے راستوں پر چلیں لیکن ہندو دھرم کے بنیادی اصولوں کے دائرے سے باہر نہ جائیں۔ کیونکہ یہی اصول ان کو اتحاد اور اتفاق کے دھاگے میں پرونے کیلئے کافی ہیں۔ قومی تعمیر کیلئے ان کا اتحاد و اتفاق از حد ضروری ہے۔ بلکہ یہ اس کی بنیاد ہے۔ اونچ نیچ اور ذات پات کے تفرقوں کا مٹانا بھی قومی تعمیر کیلئے لازم ہے۔ پسماندہ فرقوں اور دلت جاتیوں کو ابھارنے کے بغیر قومی تعمیر کبھی پختہ نہیں ہو سکتی۔ اور ان کو اٹھانا اونچی ذاتوں اور ترقی یافتہ عناصر کا کام ہے۔ ہندو دھرم کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر جاندار پرماتما کا ہی سوروپ ہے۔ جب ہم ہر جیو میں پرماتما کے سوروپ کا مشاہدہ کریں گے۔ تو اونچ نیچ کا خیال اور دوسرے تفرقے خود بخود

مٹ جائیں گے۔ ملک کا اُدھار اچھی ہمہ گیر تعلیم سے ہی ہو سکتا ہے۔ بچوں کے دل و دماغ کو بھارتی روایات کی دولت سے مالامال کرنا اس تعلیم کا لازمی جُز ہونا چاہئیے۔ اُن کے جسم مضبوط دماغ روشن اور اخلاق بلند ہوں۔ اُن میں غیرت قومی۔ ہمت۔ جرأت وحب وطن کوٹ کوٹ کر بھرے ہوں۔ اور وہ سچے معنوں میں بھارتی کہلانے کے لائق ہوں۔ اس تعلیم کے نصاب میں سوامی جی سنسکرت کو ممتاز جگہ دینے اور اس کی پڑھائی کو لازمی قرار دینے کے حامی ہیں۔ مذہب کے نام پر جو فضول رسوم اور توہمات رائج کئے گئے ہیں ان کا قلع قمع کرنا ہر ہندو کا فرض ہے۔ ان توہمات نے ہندو سماج کی بنیادیں کھوکھلی اور کمزور کر دی ہیں۔ بہت مدت سے بھارت کے لوگوں نے صرف روحانیت کو اپنی توجہ کا مرکز بنا رکھا ہے۔ اور بیکار اور بے عمل رہ کر دنیا سے کنارہ کش ہونا اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ اور اکثر لوگوں نے اسی طرز عمل کو روحانیت سمجھ رکھا ہے۔ تموگن یا جمود و بے عملی کو ستوگن قرار دینا غلطی ہے۔ بھارت کے لوگوں کو تموگن نے مغلوب کیا ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اِن میں رجوگن یا باعملی کی روح پھونک دی جائے۔ جہاں لوگ افلاس کے جنگل میں پھنسے ہوں۔ اور کمزور رہوں وہاں روحانیت کے کیا معنی؟ جب تک بھارت کی سرزمین سے افلاس کا نام ونشان نہ مٹایا جائے تب تک قومی تعمیر کا کام ادھورا رہے گا۔ قومی زندگی تبھی اور کامیاب ہو سکتی ہے جب روحانیت کے ساتھ مادی ترقی پیوست کی جائے۔

اس کے لئے مروجہ علوم کی اشاعت اور ٹکنیک کی ترقی لازمی ہے۔ دُنیا بیشک بھارت کے پیغام کی منتظر ہے۔ لیکن وہ اپنے پیغام کو بھی مُوثر طریق سے دُنیا کو سُنا سکتا ہے جب وہ مادی طور پر بھی مضبوط ہو۔

سوامی جی ۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو صرف اُنتالیس سال کی عمر میں اس دنیا سے چل بسے لیکن اس قلیل عرصے میں انہوں نے اپنے معجزہ نما کارنامے انجام لائے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پرمہنس نے پیشین گوئی کی تھی کہ جب یہ مہاپرش اپنا مشن پورا کر چکے گا۔ تو وہ اپنی قوت ارادی سے اپنا جسم چھوڑ دے گا۔ اُن کی جدائی بھارت کے لوگوں کیلئے صدمہ عظیم تھی لیکن درحقیقت وہ ہم سے جُدا نہیں ہوئے بھارت کو سوتے سے جگانے والی اس عظیم ہستی نے اپنے آپ کو ہر بھارتی کے دل میں زندہ جاوید کر رکھا ہے بلکہ دنیا کی تاریخ پر بھی اپنی مہر دوام ثبت کر لی ہے۔

سوامی جی کے کلام سے چند اقتباسات

(۱) مشہور جرمن فلاسفر شوپن ہاور (Schopenhauer) نے پیشین گوئی کی ہے کہ بھارتی فلسفے کا اثر دُنیا پر اتنا ہی اہم ہوگا جتنا کہ (Roman اور Greek) تہذیب و تمدن کا قرون وسطیٰ کی تاریکیوں کے بعد یورپ پر ہوا تھا۔

(۲) جاپانی لوگ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کی ہر بات عظمت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اور بھارت ایک متبرک سرزمین ہے۔

(۳) جب ہمارے پاس ایسے آدمی ہوں گے جو اپنی ہر چیز ملک کیلئے قربان کرنے کو تیار ہوں۔ جن میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ جب ایسے آدمی

پیدا ہونگے۔ تب بھارت ہر پہلو میں ایک عظیم ملک ہو گا۔

(۴) ویدانت تمام مذاہب کو عقل کیلئے قابل قبول بنالیتا ہے۔ اسکی عدم موجودگی میں ہر مذہب فقط ایک وہم رہ جاتا ہے۔ اس کی روشنی میں ہر مذہب مذہب بن جاتا ہے۔

(۵) میں یہ کہونگا کہ یونانی دماغ جو یورپ کی بیرونی قوت عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کا بھارت کی روحانیت کے ساتھ اشتراک بھارت میں افضل ترین سماج پیدا کرسکتا ہے۔

(۶) ہندو قوم کی ساری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس قوم نے کبھی کوئی تخریبی کام نہیں کیا۔ یہ ہمیشہ صرف تعمیری کاموں میں مصروف رہی ہے۔

(۷) جب تک انسان ایسا روحانی مسلک آپ نہ چُن لے تب تک ہندو دھرم کی روح ہی مفقود رہتی ہے۔

(۸) آتما میں اپنا قیام رکھو۔ تبھی تم ساری دنیا سے محبت کرسکتے ہو۔

(۹) ہمارا سب سے اچھا کام اس وقت کیا جاتا ہے۔ ہمارا اثر اُس وقت معراج کو پہنچتا ہے۔ جب خود پرستی ہم سے دور ہوتی ہے۔

(۱۰) اپنے آپ کو جیت لو۔ ساری کائنات تمہاری ہو جائیگی۔

(۱۱) روپیہ کو اپنے پاس ایسے رکھو۔ گویا کہ یہ پرماتما کی تمہارے پاس امانت ہے اس سے کوئی لگاؤ نہ رکھو۔

(۱۲) سچی بات کو بے باکی سے کہو چاہئے اس سے کسی کو رنج بھی پہنچتا ہو۔

(۱۳) جہالت کے حجاب کو پاکیزگی سے دفع کرو۔ تبھی ہم اپنے

اُس صورت میں آشکارا کرینگے۔ جیسے ہم حقیقت میں ہیں۔ اور ہم جان لیں گے کہ ہم کبھی قید و بند میں نہ تھے۔

(۱۴) دنیا کا بڑا گناہ کثرت کو دیکھنا ہے۔ سب کو آتما کی نظر سے دیکھو اور سب سے محبت کرو۔ اس خیال کو کہ دوسرے لوگ تم سے جُدا ہیں دور کرو۔

(۱۵) جب انسان بھوک سے سیر ہو جاتا ہے وہ لوگ کی باتیں سننے اور سمجھنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔

(۱۶) کیا ویدانت تم کو یہ تعلیم نہیں دیتا کہ عام جانداروں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہئیے پھر تم کیوں اس خیال کے دلدادہ ہو کہ صرف تمہاری بیوی اور تمہارے بچے تمہارے اپنے ہیں۔ اور دوسرے لوگ پرائے ہیں۔ خود نارائن ایک غریب بھکاری کی صورت میں تمہارے دروازے پر فاقہ کشی سے مر رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس کو کچھ دو کیا تم لذیذ کھانوں سے صرف اپنی بیوی اور بچوں کی ہی شکم پروری کرو گے۔ بھائی یہ تو حیوانی حرکت ہے۔

(۱۷) جاؤ اور سب کو کہو کہ تم میں سے ہر ایک اُس ازلی طاقت کا حامل ہے اس کو بیدار کرنے کی کوشش کرو۔ تم کو اپنی انفرادی نجات سے کیا حاصل ہو گا؟ یہ محض خود غرضی ہے۔ دھیان سمادھی کو پرے پھینکدو۔ اپنے دل و دماغ کو مکمل طور اُس کام میں لگاؤ۔ جس کیلئے میں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہے۔

(۱۸) اس وقت ہماری بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم میں رجوگن (قوت عمل) کی بے پناہ طاقت بیدار ہو کیونکہ سارے ملک میں تموگن (بے عملی۔ کاہلی) کا فنا پرور پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس سرزمین کے لوگوں کو کھانے کو روٹی۔ پہننے کو کپڑا چاہئیے ان کو بیدار کیا جانا چاہئیے۔ ان میں زندگی کے آثار پیدا کئے جانے چاہئیں

(۱۹) ہمیں رشیوں کے قدیم قوانین پھر زندہ کرنے چاہئیں ہمیں ساری قوم کو متحد اور یاگنہ دلکہ کے مجموعہ قوانین سے روشناس کرنا چاہیئے۔ ہاں۔ ان میں کہیں کہیں بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم بھی کرنی چاہیئے۔

(۲۰) دنیا سے بے لگاؤ ہونے اُس کو ترک کرنے اور نفسانی خواہشات کو مٹانے کے بغیر روحانی زندگی میں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۲۱) میں کہہ رہا تھا کہ اگر عورتوں میں سے ایک بھی برہمہ گیانی بن جائے تو اُس کی شخصیت کے جلال سے ہزاروں عورتیں متاثر ہونگی۔ اور ان میں حقیقت شناسی کی بیداری آ جائیگی۔ جس سے ملک اور سماج کی بہبودی کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔

(۲۲) اگر عورتوں کو اوپر اٹھایا جائے تو ان کے بچے اپنے اعلیٰ کارناموں سے ملک کے نام کو چار چاند لگائینگے۔ تبھی ملک میں سبھیتا۔ علم۔ طاقت اور عقیدتمندی کی ترقی ہو گی۔

(۲۳) اب ہمیں ستری شکھیا کا پرچار کرنا ہوگا اور دھرم شکھیا اس کا مرکز رہیگی۔ دھرم شکھیا۔ چرتر نرمان اور برہمہ چریہ کا پرن۔ ہمیں ان باتوں کی طرف متوجہ ہونا ہوگا۔

(۲۴) محض کتابی تعلیم سے کام نہ چلے گا ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے چرتر نرمان (تعمیر سیرت ہو) من کی شکتی بڑھ جائے۔ دماغ کو وسعت حاصل ہو اور جس سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قابلیت پیدا ہو اور باتوں کے ساتھ ساتھ ستریوں کو اپنے اندر دیرتا کی روح پیدا کرنی چاہیئے۔ اس زمانے میں اُنکے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ کہ آتم رکھشا کا فن بھی سیکھ لیں۔ دیکھو جھانسی کی رانی کیسی عظیم الشان ہستی تھی۔

(۲۵) ہماری ہندو عورتیں آسانی سے عصمت (پوترستی دھرم)

کے معنی سمجھ سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُن کا ورثہ ہے اس لئے سب سے پہلے
اس آدرش کو سب چیزوں سے افضل مان کر اس کو مضبوط بناؤ تاکہ
وہ ایک مستحکم چتر حاصل کریں۔ جس کی قوت سے وہ اپنی زندگی کے
سرمے پر خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا مجرد (اگر مجرد رہنا چاہئیں)
وہ اپنی زندگی قربان کرنے سے ذرا بھی نہ جھجھکیگی۔ لیکن اپنی عصمت
(اپنی ستی دھرم) پر خفیف سی آنچ بھی نہ آنے دیں گی ؛

Sri Ramakrishna Ashram
LIBRARY
SRINAGAR

Extract from
the Rules :—

1. Books are issued for
one month only.
2. An over - due charge of
20 Paise per day will
be charged for each
book kept over - time.
3. Books lost, defaced or
injured in any way
shall have to be
replaced by the
borrower.

سوامی وویکانند کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات
کے سلسلے میں چمن لعل سپرو سیکرٹری کشمیر پردیش
سوامی وویکانند جنم شتابدی سماروہ سمیتی شوالیہ
کنیا کدل سرینگر نے فائن آرٹ پریس سرینگر سے چھپوا کر
شائع کیا۔

SRINAGAR
ACC NO. ....

قیمت پچاس نئے پیسے